

طلباً علِمَ کے لئے خصوصی مقالہ

علمائے سلف کے اسفار علمیہ

مولانا محمد حبیب الرحمن خان شروانی

گزشتہ سے پوستہ

جباب پیا ابن بطوط جب اسکندریہ پہنچا تو شیخ روزگار برہان الدین اخرج کے حضور میں بھی گیا۔ شیخ نے اشائے ملاقات اس سے اپنے تین بھائیوں کو سلام پہنچانے کی فرماش کی جی میں سے ایک فرید الدین نامی ہند میں تھے۔ دوسرے زین الدین سندھ میں اور تیسرا برہان الدین چین میں۔ چنانچہ ابن بطوط نے دوران سیاحت ان سب کو مقاماتِ مذکورہ میں پایا اور مشتاق بھائی کا سلام پہنچایا۔

اس زمانے میں سفر ہمن مصیبتوں سے ہوا کرتا تھا اور سیاحت میں جو صعبوں ایمانی پڑتی تھیں وہ ذیل کے واقعے سے خیال میں آسکتی ہیں۔

امام ابو حاتم رازی فرماتے ہیں کہ سفر میں ایک دفعہ میں جہاز سے اتر اتو خرچ بالکل پاس نہیں رہا تھا دو میرے رفیق اور تھے ان کا بھی مضمون واحد تھا۔ ہم تینوں نے تین دن فاتحے سے پیدل سفر کیا۔ آخر تیرے دن ایک مقام پر کثرت ضعف نے تھکا کر گرا دیا۔ رفیقوں میں ایک بیچارہ بڑھا تھا وہ گرتے ہی بیہوش ہو گیا۔ ذرا دیر کے بعد ہم دونوں نے پھر ہمت باندھ کر آگے بڑھنے کا ارادہ کیا بڑھے کو دیکھا تو بالکل غافل تھا مجبوراً اس کو وہیں چھوڑا اور ہم آگے بڑھنے کو تھوڑی دور چلے تھے کہ میرے حواس نے جواب دیا اور میں غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ رفیق بڑھے کی طرح بھکو بھی راہ میں پڑا چھوڑ کر خود آگے بڑھا۔ سن اتفاق سے کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد اس کو ایک کششی نظر آئی جو قریب ہی ایک مقام پر مسافر اتاری تھی۔ یہ دیکھ کر اس نے اظہارِ مصیبت کے لئے اپنی چادر ہوا میں اڑائی اس نشان بیچارگی کو دیکھ کر پانی پلایا۔ جب پانی پی کر اس کو تکسین ہوتی تو کہا کہ میرے دور فیض اور اسی مصیبت کے مارے پیچھے چھٹ گئے ہیں ان کی خبر گیری ضرور ہے۔ مہربان مسافر یہ سن کر ہماری طرف آئے میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ایک آدمی منہ پر پانی کے چھینٹے دے

رباتا۔ جب مجھ کو ہوش آگیا تو پانی پلایا۔ اس کے بعد تم سب ملک بے کس بڑھے کے پاس گئے اور اس کی بھی خدمت کی۔ آخر ہم نے ایک مقام پر چند روز ٹھہر کر آرام کیا تب جان میں جان آئی۔ حیف ہمارے اسلاف ایسے اور ان کے اخلاف ایسے کہ ہمارے مقابلہ میں دنیا کی ساری قومیں علم و حکمت کی زیادہ قدر رشناکی کی مدعا ہیں۔ اگرچہ بہت کا ادنی از بھی ہم میں ہوتا تو آج امتحان مقابلہ ہمارے واسطے ایک مہیب مسئلہ قرار نہ پاتا اور ہر صیغہ اور شعبے میں ہم رعایت کی ذمیل صدابند نہ کرتے جس طرف کان لگائے مسلمان طلباء اور اسلامیہ مدارس میں افلاس افلاس کی صدابند ہے۔ انصاف بالائے طاعت سے۔ لا کھ افلاس کی لیکن چند روز کے پتے اور جزوی یوٹی کمانے کا اتفاق تو نہیں ہوتا جیسے ہے کہ شوق اور بہت نہیں ورنہ یہی کڑوے گھوٹ شربت کی طرح خوش گوار ہو جاتے اور ساری کڑی منزلیں آسان ہو جاتیں۔

کتابوں کا لکھنا

چھاپے نے اس زمانے میں کتابوں کا وجہ اتنا آسان کر دیا ہے کہ اب اس وقت کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے جو اگلے زمانے میں کتابوں کے بھم پہنچانے میں پیش آتی تھی۔ آج کل عمدہ سے عمدہ کتاب دام خرچ کرنے سے بلا دشواری مل سکتی ہے لیکن پہلے یہ بات کہاں تھی۔ جو بھاری کام آب سے اور پتھر نے اخالیا ہے وہ اس وقت کے طبلہ کو خود کرنا پڑتا تھا۔ یعنی وہ اپنے واسطے کتابیں خود لکھتے تھے گویا چلنے کے واسطے ان کو سڑک بھی خود بنانا پڑتی تھی۔ شفاقت نعمانیہ میں لکھا ہے کہ ابتدا جب علامہ نقاشانی کی تصانیف روم میں پہنچیں اور درس میں مقبول ہوئیں تو ان کے شے دام خرچ کرنے پر بھی نہیں ملتے تھے۔ مجبوراً علامہ شمس الدین کو علاوه جمعہ اور سہ شنبہ کی معمولی تعطیلوں کے دو شنبہ کی تعطیل مدارس میں اور مقرر کرنا پڑتی۔ پس ہفتے میں تین دن طباء کتابیں لکھتے تھے۔ اور چار دن پڑھتے تھے۔ کثرت مشق اور رات دن کے لکھنے نے اگلے لوگوں کو تحریر پر ایسا قادر کر دیا تھا کہ اب ان کی حکایتیں مشکل سے باور ہوتی ہیں۔

حافظ ابن فرات بغدادی نے جب وفات پائی تو کتابوں کے اخبارہ صندوق چھوڑے جن کتابوں سے اخبارہ صندوق بھر گئے تھے ان میں اکثر خود ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں۔ خوبی تحریر کی سند اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ محدثین کے نزدیک ان کی لکھی ہوئی کتابیں صحت نقل اور وجودت ضبط



میں جدت اور سند خیال کی جاتی تھیں۔ سبتوں این جزوی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا (شیخ ابن جزوی) کو ایک بار سرمنبر کہتے سنا کہ میں نے اپنی ان انگلیوں سے دو ہزار جلدیں لکھی ہیں۔ جس شیخ وقت نے ڈھانی سوتا میں تصنیف کی ہوں اس کا دو ہزار جلدیں لکھ لیتا نامکن نہیں ہے جن قلموں سے انہوں ہی نے حدیث شریف کی کتابیں لکھی تھیں ان کا تراشہ جمع کرتے گئے تھے۔ جب وفات پانے لگے تو میت کی کہ عسل کا پانی اسے تراشے سے گرم کیا جائے۔ چنانچہ ان کے عسل کا پانی اسی پاک ایندھن سے گرم ہوا۔

حضرت مسیح بن معین نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ میں نے اپنے ہاتھ سے چھ لاکھ حدیثیں لکھی ہیں۔ امام ابواسامة کوفی نے ایک سو دس برس کی عمر میں وفات پائی تاہم سلسلہ تحریر آخوندگان قائم رہا۔ ان کے بیٹے نے بیان کیا ہے کہ میرے والد نے جب اشعار عرب مدون کئے تو کچھ اوپر اسی قبائل کا کلام تھا۔ ایک قبیلے کا کلام شائع کر کچتے تو اس کے شکرانے میں ایک نجف کلام اللہ کا لکھ کر مسجد میں پہنچا دیتے۔ اس طرح اسی سے زیادہ نئے کلام پاک کے انہوں نے لکھ کر وقف کر دیے۔ بعد وفات امام ابو جعفر طبری کی تصنیف کا حساب لگایا گیا تو ابتدائے شباب سے یہم رحلت تک چودہ ورق روزانہ کا اوسط پڑا اور عام تحریر کا اندازہ کیا گیا تو چالیس ورق یومیہ ہوئے۔ حکیم المنظفر مصری کے حال میں علامہ ابن الجیع کے نسبت میں لکھے ہیں۔ عجیب تر یہ بات ہے کہ ان کے کتاب خانے میں ہزاروں کتابیں ہر فن کی تھیں۔ مگر کوئی کتاب کسی فن کی ان کے بیان ایسی نہیں ملتی۔ جس پر خود ان کے قلم کی کچھ نہیں ونا در باتیں فن کتاب کے مناسب لکھی ہوئی نہ ہوں۔ چنانچہ میں نے اپنی آنکھ سے بکثرت طب اور دیگر فنون کی کتابیں حکیم مذکور کے کتاب خانے کی دیکھی ہیں جن پر ان کا نام اور نوادر ترقہ متعلق کتاب درج تھے۔ اقوت تحریر پر واقعہ ذیل بھی عمده شاہد ہے۔ مفتی قطنطینیہ ابوسعود روی نے بارہ ایک ایک دن میں ہزار ہزار قلعوں کا جواب لکھا۔ الاجمیں میں سے ایک بھی خوبی اسلوب اور حسن معنی سے گراہو نہیں ہوتا تھا۔

توجہ کامل اور شوق طلب

اس عنوان کے ضمن میں جو واقعات آگے ذکور ہوتے ہیں ان میں آپ علماء کو زندگانی کی مختلف سختیوں میں پائیں گے۔ کسی کوسرد ملک میں شب کو مسجد کے دروازے پر کھڑا دیکھیں گے۔ کوئی بزرگ شدت

گرم کے باعث پانی کے ایک بڑے ظرف میں بیٹھے ملیں گے۔ کوئی عالم آپ کو بوریے پر دراز نظر آئیں گے کوئی اپنے جانی دشمن حاکم وقت کے خوف سے محرا میں روپوش ملیں گے۔ کسی کے دل میں ”العشق نار تحرق ماسوی المطلوب“، ہا جلوہ دکھائی دے گا۔ غرض مختلف گرم و سرد حالات جو ایک انسان پر گزرنے سکتے ہیں۔ ان پر آپ گزرتے دیکھیں گے لیکن ہر جاں میں آپ ان کے دل کو اطمینان سے اپنے مطلوب (یعنی علم) کی طلب میں مشغول پائیں گے اور واقعات ثابت کریں گے کہ یہ حوصلہ فرسا حادث ان کے دلوں کو علم کی جانب سے افرغہ پیدا کرنے میں قاصر تھے۔ بعض صورتوں میں آپ دیکھیں گے کہ وہ ظاہر ایک کام میں صروف ہیں مگر قلب ان کا علم کی جانب ہے۔ کوئی حکیم سو سو مرتبہ ایک ایک کتاب کا مطالعہ کرتا ہے۔ کسی فقیہ کے زیر مطالعہ ایک ایک کتاب پچاہ پچاہ برس رہی ہے۔ ان تمام واقعات سے ان کی توجہ کامل اور ماسوائے بے نیازی کا پورا پتہ ٹلے گا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حصول کمال کی جانب جب تک انسان اپنے دل کو پورے طور سے مکمل نہ کر دے کمال حاصل ہونیں سکتا۔ اس زمانے کے مسلمان بھی مدارس کے چھوٹوں میں اپنی عمر میں صرف کر دیتے ہیں پڑھتے پڑھتے بوڑھے ہو جاتے ہیں مگر کمال تو بڑی چیز ہے اس کا کوئی شہر بھی ان میں نظر نہیں آتا۔ کوئی اس کے اسباب پچھہ ہی بتائے گریں یہ کہتا ہوں کہ صرف توجہ اور ہمت کا تفاوت ہے۔ اگر تم وہی توجہ پیدا کر لیں تو وہ کمالات پھر پیدا ہو سکتے ہیں۔ آئیے کہ یہ لیس للانسان الاما معنی صاف صاف بتلاری ہے کہ ہر شخص اپنی اپنی کوشش کا پھل پاتا ہے۔ جو کتابیں علماء کے حالات میں طبقات کے طور پر کھٹکی گئی ہیں ان پر نظر غائزہ ای جائے تو عیان ہوتا ہے کہ بختاب قطبہ جہد طلب میں تفاوت آتا گیا اسی قدر درجہ بد رجہ کمالات علمیہ میں تنزل ہوتا گیا۔ سلک الدر میں (جو بارہویں صدی کے علماء کے حالات میں مثل نظر نہیں آتا۔ اس کے ساتھ ہی بارہویں صدی کے ایک عالم پانچویں یا چھٹی صدی کے علماء کے مثل نظر نہیں آتا۔ اس کے ساتھ ہی بارہویں صدی کے ایک عالم کی بھی جہد طلب پانچویں یا چھٹی صدی کے علامی جانفناں کے مشاہد نہیں۔ اگر تم سلک الدر کے کسی عالم کے حالات ان حالات کے مثل پائیں جو این خلاں یا زندگی الاباء کے علماء کے ہیں اور پھر دیکھیں کہ ویسے کمال کو اول الذکر نہیں پایا تو بے شک ہم کو توجہ اور شوق کے سوا کسی اور سبب کے حلش کی ضرورت پیش آئے گی۔ لیکن جب ہم ہمتوں کا تفاوت پاتے ہیں تو پھر رفع الزام کے لئے اور اسباب کا پیدا کرنا روش حق سے بجدید ہے۔

خیال بالا کو واقعات ذیل سے ملائیے اور اس طرح اس کی صحت یا غلطی خود بتوسف مکشف ہو جائیگی۔ کمال توجہ کا اطمینان فارسی کی اس مشیں کیا گیا ہے۔۔۔۔۔ دل بے یار رو دست بکار۔۔۔۔۔ امام دارقطنی ایک مرتبہ ابتدائے سن میں اسماعیل صفار کی مجلسِ املا میں حاضر تھے۔ شیخ تو املا میں مصروف تھے اور یہ ایک کتاب کی نقل کرتے جاتے تھے۔ ایک شخص ان کی بے تو جنی دیکھ کر چھنجلا یا اور کہا کہ تم نقل کتاب میں مشغول ہو پھر تمہارا سماع کس طرح قابل وثوق ہو سکتا ہے۔ دارقطنی نے یہ اعتراض سن کر کہا سماع سماع میں فرق ہوتا ہے۔ ثم تو ہم تین متوجہ ہو کر سن رہے ہو۔ بتلا و تو شیخ نے اب تک کتنی حدیثیں روایت کی ہیں۔ معتبر ضم کو مجموعی تعداد کا خیال نہ تھا لہذا اس سوال کا جواب نہ دے سکا۔ دارقطنی نے کہا کہ اخبار حدیثیں اس وقت تک املا ہوئی ہیں۔ پہلی کا یہ متن ہے یہ اسناد۔ دوسرا کا یہ متن ہے۔ یہ اسناد غرض اسی طرح وہ ساری حدیثیں سنادیں۔ حاضرین ان کا یہ ضبط دیکھ کر دنگ رہ گئے۔

ایک مرتبہ دو شیخ خراسان سے مکہ مکرمہ میں آئے اور حرم محترم کے دو جانب بیٹھ کر انہوں نے ایک ہی وقت میں روایت حدیث کی۔ دونوں کے سامنے اور مستملی چددجاتھے۔ حافظ کبیر اثرم دونوں کے پیچے میں بیٹھ گئے۔ اور دونوں کا بیان برابر لکھتے رہے۔ بے شک یہ توجہ کی یہکوئی کارکشہ تھا جس نے ایک سماع کو دوسامعون کی قوت دیدی۔ بہت سے حاضرین مجلس ایسے ہوتے ہیں کہ سب کچھ سنتے کے بعد بھی ان کو نہیں معلوم ہوتا کہ کیا سنا اور کم تو جنی ان کو نزد دیگان بے بصر کا خطاب دلاتی ہے۔ علی بن الحسن راوی ہیں کہ ایک شب میں نماز پڑھ کر مسجد سے باہر آنے کو حضرت عبداللہ بن المبارک کے ساتھ ساتھ اخواں رات کو سردی کی بہت شدت تھی۔ دروازے پر پہنچ کر ابن المبارک نے ایک حدیث کا ذکر چھیڑا۔ جب وہ فرمائچے تو میں نے اس کی نسبت کچھ کہا میرے بعد پھر انہوں نے کچھ بیان کیا غرض اسی طرح سلسلہ کلام جاری تھا کہ فجر کی اذان ہوئی اور ہم دونوں مسجد لوٹ آئے۔ حافظ حدیث حمیدی میورتی جزیرہ میورتہ ۵۱ میں پیدا ہوئے شام و عراق میں علم حاصل کیا اور بغداد میں آ کر رہے۔ گرمیوں میں جب شب کو لکھنے بیٹھتے اور گرمی ایذا پہنچاتی تو ایک بڑے سے ظرف میں پانی بھرتے اور اس کے اندر بیٹھ کر لکھتے۔

ابو عمر و بن العلاء (امام ادب) ایک زمانے میں سفاک حاج ابن یوسف کے خوف سے صحرائے عرب میں بھاگے پھرتے تھے۔ ادھر تو جان کے لائل پڑپڑ رہے تھے۔ ادھر اس علامہ ادب کو یہ تلاش تھی کہ آیا لفظ فرجہ (بمعنی کشائش) بالضم ہے یا بالفتح ایک روز اثنائے بادیہ پیائی میں ایک قابل کو انہوں نے

یہ شعر پڑھتے سنے

ریما تجزع النفوس من الاهل فرجة كحل العقال

فرج کو اس نے زیر سے ادا کیا۔ یہ شعر پڑھ کر وہ بدبوی ابوالعلاء کی طرف مخاطب ہوا اور کہا سنتے ہو۔ ظالم
جاج مر گیا۔ ابوالعلاء کہتے ہیں کہ مجھ کو اس وقت یہ تمیز نہ ہو سکا کہ آیا میں کس بات سے زیادہ خوش
ہوا۔ لفظ فرج کی صحت ہو جانے سے یا اپنے عدوئے جانی کی خبر وفات پانے سے۔ اس حکایت سے
علوم ہوتا ہے کہ اس شیفتہ علم کے نزدیک ایک ایک علمی مسئلہ جان کے برابر ہر یہ تھا۔ اسی کی بدلت
ابوالعلاء کو یہ بلند مرتبہ حاصل ہوا کہ امام فن قرار پائے۔ جلوگ اپنی جسمی آسانیوں کو بھی علم پر قربان نہ
کر سکیں وہ کیا شان حاصل کر سکتے ہیں۔ اب مدرس بہت مدارس بہت لیکن شوق و ہمت نایاب اس لئے
بھاری علمی محفلوں میں ہر طرف ناتاسا ہے ہے۔

ابوعید بن سلام نے ایک بار اپنے ملائندہ سے کہا کہ میں نے چالیس برس اپنی کتاب غریب الحدیث کی
تصنیف میں صرف کئے ہیں۔ اکثر فوائد مجھ کو لوگوں سے باتوں باتوں میں ہاتھ لگ جاتے تھے اور میں
ان کو موقع موقع سے اس کتاب میں درج کرتا جاتا تھا۔ ان فائدوں کے حاصل ہونے سے اتنی خوشی
مجھ کو حاصل ہوتی کہ میں ساری ساری رات فرط سمرت سے جا گتار ہتا۔ تم چار پانچ مہینے بھی میرے
پاس آ کر رہتے ہو تو کہتے ہو کہ ہم بہت رہے۔ ۸۔

حضرت امام زہری کامطالعہ کے وقت یہ عالم ہوتا کہ ادھر اوہر کتائیں ہوتیں اور ان کے مطالعے میں
ایسے مصروف ہوتے کہ دنیا و ما نیہا کی خبر نہ رہتی۔ بی بی کوب گوارا ہو سکتا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کسی
اس قدر رنجناش شوہر کے دل میں ہو۔ ایک روز بگڑ کر کہا۔ و اللہ لہذه الکتب اشد علی من ثلث
ضوان۔ یعنی قسم ہے رب کی یہ کتابیں مجھ پر تین سو کنوں سے زیادہ بھاری ہیں ۹۔ امام شافعی کے جیل
القدر شاگرد امام مرنی نے اپنے استاد کی کتاب الرسالہ کا پیچاں برس مطالعہ کیا اور وہ خود ناقل ہیں کہ
ہم مرتبہ کے مطالعے میں مجھ کو نئے نئے فوائد حاصل ہوتے گئے۔

ارسطو کی کتاب انسف کا ایک نسخہ کی کے ہاتھ لگا جس پر حکیم ابو نصر فارابی کے قلم کی یہ عبارت تھی انسی
قرات هذا الکتاب ماقصرۃ لعجمی میں نے اس کتاب کو سو مرتبہ پڑھا ہے۔

شیخ الرئیس کے مطالعے کی بھی ایک حکایت قریب قریب اس کے ہے جس کو شخص نے خود بیان کیا ہے کہ
ایام طالب علمی میں جب میں نے کتاب ”مابعد الطبيعة“، کامطالعہ شروع کیا تو مطالقا وہ میری سمجھ

میں نہیں آئی اور نہ واضح فن کی کوئی غرض مفہوم ہوئی انتہا یہ ہے کہ چالیس مرتبہ میں نے اس کا مطالعہ کیا۔ عبارت تو بزرگان ہو گئی لیکن مدعا نے اپنی جانب سے مایوس کر دیا: گویا
..... مدعا عنقا تھا اس کے عالم تقریر کا.....

اتفاقاً اسی عرصے میں ایک روز عصر کے وقت کتاب فروشوں میں میرا گذر ہوا۔ وہاں ایک شخص ایک کتاب لایا اور مجھ سے کہا کہ یہ کتاب فنِ با بعد الطبیعت میں ہے آپ لے لیجھ۔ چونکہ میں اس فن کو بے معنی خیال کر چکا تھا۔ اس لئے خریداری سے انکار کر دیا۔ دلال نے منت کی اور کہا کہ کتاب سستی ہے صرف تین درہم قیمت ہے اور مالک ضرورت مند۔ میں نے اس کے اصرار سے مجبور ہو کر کتاب لے لی۔ خریدنے کے بعد کھول کر دیکھی تو ابو نصر فارابی کی تصنیف تکلی جس میں مصنف نے اغراض کتاب با بعد الطبیعت سے بحث کی تھی۔ میں خوش خوش مکان پر آیا اور اس کے مطالعے میں مصروف ہوا۔ اصل کتاب چونکہ پہلے سے از بر تھی اس لئے خرید کتاب کے پڑھتے ہی سب مشکلیں آسان ہو گئیں ۲۲

ابوالعباس شعب نے بغداد میں اسخن موصی کے کتاب خانے میں ایک ہزار جزو فنِ لغت کے دیکھے جو سب کے سب اسخن کی ساع میں آچکے تھے۔ مولانا حماد الدین روفی نے ایک رات طلبہ کے چوروں میں مخفی طور پر گشت کیا۔ ایک طالب علم کو دیکھا کہ سیکھے سے لگا ہو امطالعہ کتاب میں مصروف ہے۔ دوسرے کو دیکھا کہ دوز انو مستعد بیٹھا ہے کتاب زیر مطالعہ ہے اور موقع موقع سے کچھ لکھتا بھی جاتا ہے۔ یہ دیکھ کر تجربہ کار استاد نے اول کی نسبت کہا انه لا يبلغ درجة الفضل ۲۳۔ دوسرے کی نسبت فرمایا۔ سی حاصل الفضل ویکون له شان ۲۵۔ فی العلم تجربہ نے ثابت کر دیا کہ یہ پیشین گوئی بالکل صحی تھی ۲۶۔ یہاں یہا مرقب ملاحظہ ہے کہ امام زہری ہوں یا امام مزنی حکیم فارابی ہوں یا شیخ اویس ان کے علمی کمالات کی اصل بنیاد یہی مطالعے کی کثرت تھی کہ ایک ایک کتاب کو سو بار پڑھتے تھے اور پچاس پچاس برس دیکھتے اب مطالعہ محدود لہذا علیت معلوم۔ بیدر دہیں وہ لوگ جوان بزرگوں کی جاں کا ہیوں کو نظر انداز کر کے ان علمی کمالات کو حفظ اس زمانے کے آثار کا شمرہ بتاتے اور اپنے زعم باطل میں اپنے لئے ایک عذر رکھائے ہیں۔ اگر ابو نصر یا شیخ الریکس کی سی جانشنازی آ جکل کے مسلمان کریں تو ضرور ان کے برابر ہو سکتے ہیں۔ بلکہ اگر جاں فشاںی کو ان کی جانکاہی سے بڑھا دیں تو ان سے بڑھ کر ہو سکتے ہیں۔ علم و حکمت کچھ نبوت نہ تھی جو کسی ذات پر ختم ہو گئی اور ہم پر یہ ایمان لانا واجب ہو گیا کہ فارابی اور شیخ کمالات علمیہ کو ختم کر گئے۔

فیض روح القدس از باز مدد فرماید۔ دیگران ہم پکنند آنچہ مسیحی کرد
ابوالبرکات طبیب مشہور بدبائیں موسوی ملت کے بیروت تھے اس عہد کے استاد طب ابو الحسن کی یہ آن تھی
کہ وہ مکرین حضرت مسیح کو طب نہیں پڑھاتے تھے۔ ابوالبرکات ان کے پاس گئے لیکن ناکام واپس
آئے۔ اس طرف سے جب مایوس ہوئے تو شوق نے ایک اور راہ بتائی یعنی انہوں نے دربان
کو ملایا اور دروس کے وقت دروازے میں چھپ کر بیٹھے رہنے کی اجازت لے لی۔

خواہم داد دربان ترا بہر درون زحمت

پسندست ایں کہ گا ہے یعنی آں دیوار بیروں روا

سال بھر کامل اسی طرح بآکمال استاد کی تعلیم کا فیض حاصل کرتے رہے۔ ایک روز کسی مسئلہ
میں الجھاؤ پڑ گیا اور کسی طرح گتھی نہ سمجھی۔ آخر چھپے رسم ابوالبرکات جسارت کر کے نکل آئے اور کہا کہ
اجازت ہوتا کچھ میں بھی عرض کروں۔ استاد نے اجازت دی اور انہوں نے اس کو جانیوں کے قول
سے حل کر کے کہا کہ فلاں روز یہ قول آپ ہی نے نقل فرمایا تھا۔ ابو الحسن نے حیرت سے پوچھا کہ تم
نے میراہیان کیوں کر سنا۔ انہوں نے صورت حال گزارش کی۔ حکیم موصوف کے دل پر ان کے شوق
کا گھبرا اثر پڑا اور اعتراف کیا کہ ایسے طالب کو محروم رکھنا حلال نہیں۔ چنانچہ اسی روز ابوالبرکات کو شامل
درس کر لیا گیا۔

خطیب تبریزی شارح حماسه کو ایک کتاب لفت ابوالمنصور کی تصنیف میں جو کسی چھوٹی چھوٹی جملوں
میں تھی۔ اس کے مطالب حل کرنے والے شہر کے ایک عالم لفت کے پاس گئے۔ عالم موصوف نے
ان کو یہ مشورہ دیا کہ ابوالعلاء معمری کے پاس چلے جاؤ۔ خطیب نے ان اجزا اکویک تھیلے میں بھر کر پشت
پڑا اور پیداہ پاتبریز سے معرہ (واقع مکہ شام قرب حماۃ) کو چل کھڑے ہوئے۔ راستے میں اس
کتاب کی جلدیں پیسے سے ایسی نمناک ہو گئی تھیں کہ بغداد میں لوگوں نے دیکھیں تو گمان کیا کہ پانی
میں بھیگ گئی ہیں۔ غرض اسی حال میں معرہ پہنچ اور ابوالعلاء کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی مشکلات
حل کیں۔

علامہ ابن ابی اصیبع نے اپنے عم کرم رشید الدین طبیب کی طالب علمی کا حال کی
قدرت تفصیل سے لکھا ہے۔ ہم اس کو زمانہ مضی کے طرز طالب علمی اور طریقہ کسب علوم ظاہر کرنے کے
لئے یہاں نقش کرتے ہیں۔ رشید الدین نے اولاً گلام اللہ تمام ضروری مراتب کے لحاظ کے ساتھ حفظ

کیا۔ حفظ کلام پاک سے فارغ ہو کر فن حساب کی تحصیل کی۔ حساب کے بعد فن طب پڑھنا شروع کیا۔ مصر کے رئیس الاطبالان کے والد کے دوست تھے۔ اس لئے رشید الدین کو انہوں نے خود طب شروع کرائی اور جالیزوں کے سولہ رسائل پڑھائے جن میں سے چند ابداتی لفظ حفظ کئے گئے۔ ان رسالوں کو رئیس الاطباء سے پڑھ کر دیگر اساتذہ فن سے سبق لینے لگے۔ نزی کتاب خوانی پر قناعت تھی بلکہ سبق سے فارغ ہو کر بیمارستان (شفا خانہ) جاتے اور وہاں کے مریضوں کو دیکھ کر معانع اطباء نے جو مرض تشخیص اور علاج تجویز کیا ہوتا اس کو سنتے اسی ضمن میں فن کمال (آنکھ بنا) سیکھا اور اس کا عمل نفس الدین سے (جو بیمارستان میں اسی صیغہ کے افراد میں تھے) حاصل کیا اور جراحی کی مشق بھی شفا خانہ مذکور میں کی۔ فن طب کے ان مشاغل کے ساتھ اور علوم سے بھی وہ بے خبر نہ تھے۔ ادب اور فلسفہ عبداللطیف بغدادی سے اور منطق کا ایک سبق علم حکمیہ کے استاد سید الدین منطق سے پڑھتے ابو محمد جعفری سے فن نجوم اور ابن الدیکور سے فن موسقی حاصل کرتے۔ میں بر س کی عمر میں شام پہنچ کر انہوں نے مطبع شروع کر دیا۔ با ایں ہمہ طب رضی الدین سے پڑھتے رہے اور وہاں کے مشہور ادباء سے ادب۔ اتفاقاً ان کے استاد عبداللطیف بغدادی بھی وہاں پڑھ گئے تو ان سے فلسفہ کا مشغلہ پھر جاری کر دیا۔ اس جانب شافعی کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہنوز ان کا سن چکیں بر س کا نہوا تھا کہ طب میں ان کو نہود حاصل ہو چلی اور نہ کورہ بالعلوم کی تحصیل سے فارغ ہو گئے۔ علاوه ان علوم کے رشید الدین زبان ترکی اور فارسی میں بھی ماہر تھے۔ بلکہ فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔ حکایت بالاسے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگلے اطباء اس فن شریف کے تمام شے حاصل کرتے تھے اور آجکل کے اطباء کی طرح ان کا علاج دوسروں کے بھروسے پڑھیں چلتا تھا۔ امام طبرانی کی وسعت معلومات دیکھ کر ایک شخص نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کا علمی خزانہ اس قدر مالا مال کیوں کر ہوا؟ تو امام مددوح نے فرمایا کہ جان عزیز تھیں بر س میری کرنے بوریے کے سوا اور کسی بستر کا لطف نہیں اٹھایا۔

امام ادب شغل ناقل ہیں کہ پچاس بر س سے بر ایر میں ابراہیم حرربی کو اپنی ہر مجلہ لغت و ادب میں موجود پاتا ہوں۔ امام رازی کو تاسف ہوتا تھا کہ کھانے کا وقت کیوں علمی مشاغل سے خالی جاتا ہے۔ چنانچہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ والله انی اتساف فی الفوات عن الاشتغال بالعلم فی وقت الاکل فان الوقت والزمان عزیز۔ یعنی خدا کی قسم تجھلوک ہانے کے وقت علمی مشاغل کے چھوٹ جانے پر افسوس آتا ہے کیونکہ فرصت وقت بہت عزیز چیز ہے۔

دریزم وصال توہنگام تماشا نظارہ ز جمیدان مژگان گلزارد
 امام رازی اگر اوقات کو عزیز نہ سمجھتے تو شان پر علم کے راز حلختے اور شان کو کوئی امام کہتا ہے۔ محیرت
 شوق کا یہ لطیفہ بھی قابل سننے کے ہے ادیب مشہور ابو محمد بن عربی اپنے چہرے پر وغں مل کر آنکہ ظاہری
 کے سامنے بیٹھا کرتے تھے تاکہ ان کا رنگ بدبویوں کی طرح کالا ہو جائے اور اعرابی کا لقب ظاہری
 اور باطنی دونوں حیثیتوں سے ان پر صادق ہو۔ چنانچہ میدان طلب میں ان کو یہ سرخ روئی حاصل ہوئی
 کہ اس وکا خطاب مل گیا اور آج تک اسی لقب سے وہ تاریخ میں مشہور ہیں۔ فدا یاں شوق کا یہ بھی
 ایک رنگ ہے۔ مولا خاص و سلطان محمد خاں فاتح قسطنطینیہ کے وقت میں نہایت باوقار اور عہدہ تھا
 پر ممتاز تھے۔ اگرچہ بہت سے خدام ان کی خدمت میں تھے تاہم مطالعے کے کمرے میں اپنے ہاتھ سے
 جھاؤ دیتے چراغ روشن کرتے اور آتش خانے میں آگ سلاگتے۔ الحن بن سلیمان طبیب
 سو برس کے ہو کر فوت ہوئے۔ ان کی کوئی اولاد نہ تھی اور شہزادت العرانہوں نے شادی کی۔ آخر عمر
 میں ایک مرتبہ کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ کے دل میں اولاد کی تمنا ہے۔ تو اس دانا حکیم نے جواب
 دیا کہ اپنی کتاب حمیات کے ہوتے ہوئے اولاد نہ ہونے کا بھی خیال بھی مجھ کنہیں آتا۔

امام سعیی نائل مؤطاً مدینہ منورہ میں ایک روز امام مالک کے درس میں حاضر تھے کہ غوغاء اٹھا کہ ہاتھی
 آیا۔ عرب میں ہاتھی عجوبہ چیز ہے اس آواز کے سنتے ہی سارے طباء درس چھوڑ کر بھاگ اٹھے مگر سعیی
 اسی طرح اطمینان سے بیٹھے رہے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ تیکی! تمہارے ملک انگلیں میں ہاتھی نہیں
 ہوتا تم بھی جا کر دیکھ جاؤ۔ ان کے دل میں اور ہی خیال بس رہا تھا۔ جواب دیا کہ حضرت انگلیں سے
 میں آپ کو دیکھنے اور علم سیکھنے آیا ہوں ہاتھی دیکھنے کے واسطے بے خانماں نہیں ہوا۔
 -نسبت دیدہ مجنون زخویش و بیگانہ-

چہ آشنا نگہے بود چشم لیلی را۔

ابویکبر بن بشار ادب کے مشہور امام بغداد میں شاہزادوں کے اتالیق تھے۔ ایک روز تصر خلافت کو جاتے
 ہوئے نخاس سے گزرے وہاں ان دونوں ایک جاریہ آئی ہوئی تھی جس کے صن اور سلیقے کا سارے
 بغداد میں شہرہ تھا۔ ابن بشار اس کو دیکھ کر منقوٹ ہو گئے۔ جب دار الخلافۃ میں پہنچ تو غلیفہ نے پوچھا کہ

آج دری میں کیوں آئے۔ انہوں نے ماجر اعرض کیا۔ یہ سن کر خلیفہ نے درپر دہ خدام کو حکم دیا کہ وہ جاریہ خرید کر ابن بشار کے مکان پر ان کے پیچنے سے پہلے پہنچادی جائے۔ جب علامہ محمد وحید مکان پر واپس آئے تو جاریہ کو بیٹھا پایا۔ دریافت کیا تو حال معلوم ہوا۔ اس کو تو انہوں نے بالا خانے پر بھیج دیا اور خود وہیں بیٹھ کر ایک علمی مسئلہ پر (جس کی تحقیقات میں وہ ان دونوں مصروف تھے) غور کرنے لگے طبیعت تو اور ہی طرف لگ رہی تھی الجھنے لگے۔ قلب کا یہ رنگ دیکھ کر ابن بشار نے خادم کو آواز دی اور کہا کہ اس شہر آشوب کو لے جا کر واپس کر آؤ۔ میرے دل میں اس کی اتنی تدریبی ہے کہ میرے خیال کو علم سے پھیر لے۔ چنانچہ خادم گیا اور جاریہ کو واپس کر آیا۔^۳

حفظ و استحضار علمی

ایک مشہور مقولہ ہے کہ..... علم سینہ باز علم سفینہ..... علماء کا ایک دور تھا جب کتاب کا وجہ بھی مسلمانوں میں نہ تھا۔ جو کچھ اس تادوں سے پڑھتے اور سیکھتے۔ صفحہ حافظہ پر ثابت کرنا پڑتا۔ یہاں تک کہ کاغذ قلم کی مدد کو وہ عارض جھتے تھے۔ چنانچہ بعض علماء سلف فخر یہ یہ بیان کرتے کہ ہم نے کبھی سپیدی پر سیاہی کے دہبے نہیں ڈالے۔ گویا ان کے دامغ کتاب خانے تھے جن میں علمی مسائل خوبی اور خوش اسلوبی سے پھنسے ہوئے تھے۔ اسی قوت حافظ کی وجہ سے اس زمانے میں تعلیم کا طریقہ الاماکے طرز پر تھا۔ حق یہ ہے کہ جیسے اساتذہ فن اس روشن تعلیم نے پیدا کئے وہ کتاب خوانی سے پیدا نہ ہو سکے۔ حقائق آج اسلام میں دونوں ہیں ان کے رو ساوکھلا اس عصر میں ملیں گے جب طریقہ الاماکن تھا۔ متاخرین کا سرمایہ فخر حاشیہ و شرح نویسی ہے۔ حققت میں کو مجہد اور قوت پر ناز تھا ان بزرگوں کے حفظ و استحضار علمی کے واقعات دیکھ کر یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ کیسی شاقد مختیں وہ علوم کی تحصیل میں برداشت کرتے ہوں گے۔ ان حکاکتوں پر اپنی حالت کو قیاس کر کے بدگانی کی نظر ڈالنا آئیں جن سے بعید ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ انسان کے تمام قوی مشق اور کثرت کا راستے ترقی کرتے ہیں اور ترقی کی کوئی حد معین نہیں آیدہ دوران بیان آپ کو ایک حکایتیں ملیں گی جن کو مفتی مورخین نے چشم دیدہ لکھا ہے یا دوسرا عینی شہادت کو نقل کیا ہے۔ بعض ائمہ ثقات نے اپنے حالات خود نقل کئے ہیں۔ ان حالتوں میں میری رائے ناقص

میں کسی شک و شبہ کی گنجائش بہت کم رہتی ہے۔ رفتہ رفتہ کتابیں تصنیف ہو کیں ان پر اعتماد بڑھا اور قوت حافظ بیکاری کی وجہ سے مضمحل ہوتی گئی جو علم محققین کے دماغوں میں تھا وہ متاخرین کے کتاب خانوں میں آ کر ٹھہر اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اگلوں کے حالات پچھلوں کے قیاس سے بھی باہر معلوم ہونے لگے۔ غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ محققین کی قوت علمیہ کو ان تین ذرائع سے بہت مدد تھی۔ اولاً حفظ ثانیًا کتابوں کا اپنے ہاتھ سے لکھنا ثالثًا کثرت مطالعہ۔ متاخرین سے رفتہ رفتہ یہ سب سلب ہو گئے۔ حفظ کو کتابوں کی تصنیف نے باطل کر دیا اور تحریر کتابوں کی کثرت سے فضول ہو گئی اور اس زمانے میں جب کہ مطالعہ کتابوں کے وجود سے دنیا کو ملام کر رہے ہیں۔ کتابوں کی نقل کرنی تصحیح اوقات سے زائد نہیں خیال کی جاسکتی۔ ایک مطالعہ باقی تھا اس کو ہمارے زمانے میں اس طرح تھی کہ بالکل غارت کر دیا جواب بدستی سے رائج ہو گیا ہے۔ ضمائر کے مرد ہیں۔ اشاروں کے مشارا لیہ ہندسوں کی مدد سے ظاہر کئے جاتے ہیں۔ قریباً ہر لفظ پر حاشیہ بلکہ حواشی نقل کئے جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ طلباء ان کتابوں کو خرید کر نہ مطالعہ کی محنت شاقہ اٹھاتے ہیں نہ اساتذہ کی تقریروں کو پورے طور سے قابو میں کرتے ہیں۔ اسی اعتماد نے کہ ہماری کتاب میں سب کچھ لکھا ہے جب ضرورت ہو گی دیکھ لیں گے۔ دماغی قوت کا بالکل ستیا نہ کر دیا۔

مجھ سے اس عہد کے ایک مشہور فاضل نے طالب علمی کا ایک قصہ بیان کیا کہ میر زاہد رسالہ پڑھنے کے وقت ہمارا یہ عالم تھا کہ جور موز اور نکات استاد کی زبان سے نکلتے ہماری یہ کوشش ہوتی کہ دماغوں میں نقش ہو جائیں کیوں کہ اگر استاد کی زبان سے نکل کر دماغوں میں نہ ٹھہرتے تو پھر کہاں ملتی۔

غرض پڑھتے وقت استاد کے بیانوں کو پوری توجہ سے سن کر خیال میں رکھتے۔ درس سے فارغ ہو کر ان کا خلاصہ لکھتے اور لکھتے ہوئے کویا درتے انہیں دنوں میں لکھنیا کان پور سے رسالہ ندوکھی ہو کر نکلا اور نکلتے نکلتے مدارس میں پھیلا اس کے خریدتے ہی طلبہ کی بہت میں تصور آگیا اور انہوں نے سمجھ لیا کہ جو استاد کی زبان پر ہے وہ ہمارے پاس موجود ہے۔ پھر جانشناہی بیکاری ہے۔ افسوس ہے کہ کتابوں

میں سب کچھ تھا مگر ان کے دماغوں میں کچھ بھی نہ آیا۔ جو کتاب میں اگلے اساتذہ کو کھنکھنے کو علمی تھیں آج وہ دکانوں میں بھرپوری پڑی ہیں۔ لیکن علم کا قحط ہے۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی مصنف جامع ترمذی (جو صحاح سنت میں شامل ہے) فرماتے ہیں کہ میں نے دو جزا ایک شیخ کے روایت کردہ احادیث کے لکھنے تھے حسن اتفاق اسی عرصہ میں خود وہ شیخ مجھ کو مل گئے۔ میں نے احادیث مذکورہ کی اجازت طلب کی اور انہوں نے میری استدعا قبول فرمائکر ان احادیث کو سنا ناشرد و کر دیا۔ مجھ کو خیال تھا کہ مذکورہ بالادونوں جزیم برے پاس ہیں۔ اب جو دیکھتا ہوں تو بجائے ان کے دوسارے جزو میں نے غلطی سے رکھ لئے تھے مجھ سے سوائے اس کے کچھ نہ بن پڑا کہ وہی سادے جز باتوں میں لے کر شیخ کی حدیثیں سنن لگا۔ سو اتفاق سے شیخ کی نظر ان اور اراق پر پڑ گئی اور مگر کہ کہا کہ تم کو مجھ سے شرم نہیں آتی میں نے اصلی ماجرا بیان کیا اور کہا کہ جو حدیث آپ سناتے ہیں مجھ کو یاد ہوتی جاتی ہے۔ شیخ کو میرے قول کا اعتبار نہ آیا اور فرمایا سناؤ۔ میں نے سب سنی ہوئی حدیثیں لفظ بلفظ سنادیں۔ ان کا شہاب بھی نہ گیا۔ اور کہا کہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ حدیثیں میرے سنانے سے پہلے تم حفظ کر چکے تھے۔ میں نے گزارش کی کہ اورئی حدیثیں بطور امتحان روایت فرمائیے چنانچہ چالیس حدیثیں انہوں نے نئی نئی میں ان کو بھی میں نے فوراً ہر ادیا اور ایک بھی غلطی نہیں کی۔ ۳۸ واقع بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ کثرت مشق ان کے حافظہ کی قوت کو کیسا بڑھادیتی تھی کہ غور سے سننا اور حفظ ہو جانا یہ دونوں عمل ان کے واسطے ایک ہو گئے تھے۔ داؤ دا بن سمعہ نے ایک بار کہا کہ لوگ حفظ کے بارے میں ابو حاتم رازی اور ابو زرعہ کی نظر دیا کرتے ہیں۔ میں نے والله قرطہ سے بڑھ کر کوئی حافظ نہیں دیکھا۔ ایک دفعہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے اپنی کتابوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ان کتابوں میں سے جس کو چاہو اٹھا لو میں حفظ سنادوں گا۔ میں نے امتحاناً ایک کتاب اٹھا کر کہا۔ کتاب الاشرب۔ میں نے اتنی تحریک کی تھی کہ ان کی قوت حافظہ کا چشمہ روایہ ہو گیا اور ساری کتاب سنادی۔ (جاری ہے)

حوالی

- ۱- تذخیر صفحہ ۱۳۷
 ۲- شق ج ۱ صفحہ ۳۰۰
 ۳- تذخیر صفحہ ۲۲۰
 ۴- تذخیر ج ۳ صفحہ ۱۳۸
 ۵- یعنی شیخ ابن جوزی نے
 ۶- تذخیر ج ۱ صفحہ ۲۲۹
 ۷- تذخیر صفحہ ۲۱۵
 ۸- ابن ج ۱ صفحہ ۲۵۰
 ۹- تذخیر ج ۲ صفحہ ۱۰۸
 ۱۰- عيون ج ۲ صفحہ ۲۷۹
 ۱۱- الغریر صفحہ ۲۷۵
 ۱۲- تذخیر ج ۳ صفحہ ۲۰۰
 ۱۳- تذخیر ج ۲ صفحہ ۲۵۲
 ۱۴- تذخیر ج ۳ صفحہ ۲۵۳
 ۱۵- مجاز کا واقعہ بحیرہ روم
 ۱۶- زہد صفحہ ۳۲۷
 ۱۷- ابن ج ۱ صفحہ ۱۸
 ۱۸- ابن ج ۱ صفحہ ۱۹
 ۱۹- ابن ج ۱ صفحہ ۲۰
 ۲۰- عيون ج ۲ صفحہ ۲۲
 ۲۱- ابن ج ۲ صفحہ ۲۷
 ۲۲- یہ مرتبہ فضیلت کو کسی طرح نہیں پہنچ سکتا۔
 ۲۳- ابن ج ۱ صفحہ ۹۶
 ۲۴- یہ البنت فضل جو گا اور شانِ علم احصال کر لیگا۔
 ۲۵- شق ج ۱ صفحہ ۳۵
 ۲۶- عيون ج ۲ صفحہ ۲۷۹
 ۲۷- عيون ج ۲ صفحہ ۲۳۳
 ۲۸- ابن ج ۲ صفحہ ۲۸
 ۲۹- عيون ج ۲ صفحہ ۲۲۸
 ۳۰- تذخیر ج ۳ صفحہ ۱۱۸
 ۳۱- تذخیر ج ۲ صفحہ ۱۶۲
 ۳۲- عيون ج ۲ صفحہ ۲۳۲
 ۳۳- زہد صفحہ ۳۷۷
 ۳۴- شق ج ۱ صفحہ ۱۲۶
 ۳۵- عيون ج ۲ صفحہ ۳۷
 ۳۶- زہد صفحہ ۳۷۷
 ۳۷- تذخیر ج ۲ صفحہ ۳۳۶
 ۳۸- تذخیر ج ۲ صفحہ ۲۰۹
 ۳۹- تذخیر ج ۲ صفحہ ۳۰۹